رومانوی تحریک اور اُردو ناول

عدنان احمد
Adnan Ahmad
ڈاکٹر پروین کلو
Dr Perveen Kallu

ABSTRACT:

The term Romantics has its origin in Europe. It contains the element against set tradition and principles. It influenced the society, politics, morality and literature. This movement allows freedom in the expression of ideas. The poet seeks relief while touching the depths of past. Romanticism remained the effective mode of expression for a long time. This movement also influential the urdu literature to a great extent. It stopped the onward rush of rationalism and goalism of sir Sayyed Ahmad Khan. The writers prodnced "Makhzan" which spread its effect in each moke and corner of the sub-continent. Abdul Haleem Sharar,Ratan Nath Sarshar, Niaz Fateh Poori Kishan Parshad Kol, Fiaz Ali, Hijab Imtiaz Ali, Nisar Azeez Butt Razia Faseeh Ahamd, Jameela Hashmi and Altaf Fatima wrote urdu novels under the influence of romanticism.

رومانیت ایک ایسی اصطلاح ہے جو باقاعدہ تحریک کے طور پر یورپ سے آئی مگر بغور مطالعہ کریں تو اردو شاعری میں رومانیت پہلے سے موجود تھی۔ دبستان لکھنؤ اس کی درخشندہ مثال ہے، مگر یہ کلاسیکیت کے ضمن میں آتی ہیں۔ اردو میں باقاعدہ اس تحریک کو اپنانے کا عمل سرسید کی مقصدی تحریک کے ردعمل کے طور پر شروع ہوا اور یہ ردعمل یورپ کی تحریک کی بدولت اردو ادب میں شامل ہوا۔ رومانیت ایک ادبی تحریک کا نام نہیں بلکہ یہ روایت، نظم وضبط، منطقیت اور حدود قیود کے خلاف بغاوت ہے۔ اور یہ بغاوت ہر دور میں موجود رہی ہے۔ مختلف زبانوں میں لفظ رومان کے مختلف مفاہیم و مطالب ہیں۔ عربی

☆ پی ایچ۔ ڈی اسکالر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

زبان میں رومان سے مراد کوئی مقبول عام قدیم رزمیہ داستان ہے۔ایسی کہانی جس میں محض خیالی اور مافوق الفطرت تصورات، حسرت ناک تصویریں غیر معمولی سوانح کے ساتھ بیان ہوں۔فارسی زبان میں لفظ رومان ناول، قصہ، یا افسانہ کے ہیں۔عام طور پر بہادری، الوالعزمی اور جانبازی کا کوئی تخیلاتی افسانہ ہوتا ہے۔مگر بعد میں اس لفظ میں وسعت پیدا ہوئی۔لفظ رومان کے مختلف استعمال کے بارے میں ڈاکٹر محمد خاں اشرف لکھتے ہیں:

> ''ابتدا میں یہ لفظ زیادہ تر منفی مفہوم میں عشق و محبت کی ناپسندیدہ اور غیر معیاری کہانیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔انگریزی میں اس کے ساتھ ساتھ یہ ہمت و شجاعت اور اسرار و خوف پر مشتمل داستانوں اور کہانیوں کے لیے مستعمل تھا۔''(۱)

رومانس کے متعلق آراء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔یہ لفظ تاریخی اعتبار سے بھی ہر دور میں الگ مفہوم رکھتا ہے۔مگر چند اقدار مشترک ضرور موجود ہیں۔ہر دانشور مختلف اصطلاحات کے بارے میں اپنا الگ نظریہ رکھتا ہے۔اور اپنے نظریے کے مطابق اس کی موجودہ زمانے میں تعریف کرتا ہے۔ڈاکٹر محمد حسن نے تمام تر تعریفوں کو چند مرکزی نکات میں جمع کیا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

> ''رومانس زبانوں میں اس قسم کی کہانیوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا جو انتہائی آراستہ اور پر شکوہ منظر کے ساتھ عشق و محبت کی ایسی داستانیں سناتی تھیں جو عام طور پر دور وسطی کے جنگ جو اور خطر پسند نوجوانوں کے مہمات سے متعلق ہوتی تھیں اور اس طرح اس لفظ سے تین خاص مفہوم وابستہ ہو گئے:۱۔عشق و محبت سے متعلق تمام چیزوں کو رومانوی کہا جانے لگا۔ ۲۔غیر معمولی آراستگی، شان و شکوہ، آرائش، فراوانی اور محاکاتی تفصیل پسندی کو رومانوی کہنے لگے۔ ۳۔عہد وسطی سے وابستہ تمام چیزوں سے لگاؤ اور قدامت پسندی اور ماضی پرستی کو رومانوی کا لقب دیا گیا۔''(۲)

رومانس کا لفظ اصل میں فرانس میں بارھویں صدی کے اوائل سے شروع ہوا اور ان مسلمہ تاریخی حیثیت کو منواتے ہوئے اٹھارہویں صدی کے اختتام تک ایک ادبی تحریک تک پہنچ گیا۔رومانویت دراصل عقلیت، مروج نظم و ضبط، روایت اور رائج اصولوں کے خلاف ہمہ گیر تحریک تھی جس نے ادب، معاشرت، سیاست اور اخلاقیات وغیرہ کو شدید متاثر کیا۔رومانویت میں فکر کے مقابلے میں تخیل کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔خیالات کے ابلاغ میں آزادہ روی ہوتی ہے اور تقلید سے انحراف کیا جاتا ہے گویا رومانویت، تصوریت اور ماورائیت کی خصوصیات بھی رکھتی ہے۔رومانویت پسند ماضی کے شاندار ادوار کو کھوجتا ہے اور اسے اپنے آدرش کے طور پر دیکھتا ہے۔رومانویت پسند تخلیق میں اپنے پر جوش جذبات کے اظہار میں رکاوٹیں برداشت نہیں کرتا۔وہ موضوع پر ہیئت کو ترجیح دیتا ہے۔ ''کشاف اصطلاحات تنقید'' میں رومانویت کی وضاحت کے ذیل میں لکھا ہے:

''کلاسیکیت اور رومانویت دراصل دو متضاد ادبی رجحان ہیں۔ وفور جذبات، آزادہ روی، نرگسیت، انانیت، انفرادیت پسندی، وسعت طلبی، فطرت پرستی، جدت طرازی، جوش و ہیجان، قرونِ وسطیٰ سے دلچسپی، فلسفیانہ تصوریت ومثالیت، ادبی معاشرتی اور سیاسی قیود کے خلاف بغاوت، مافوق الفطرت، تحیرافروز اور پراسرار امور سے دلچسپی، تصوف سے شغف، جبلی طرزِ عمل اور غیر متمدن فطری زندگی کی طرف مراجعت، پرجوش جذبات کا بے ساختہ اظہار، ہیئت پر مواد کی ترجیح، طریقہ راسخہ قدما سے انحراف، عقل پر وجدان کو ترجیح، فطرت پسندی اور تخیل کی فراوانی رومانویت کے نمایاں خدوخال ہیں۔''(۳)

رومانیت کے موضوعات میں احتجاج، فرار، تردید، بغاوت، انانیت، اور انفرادیت شامل ہیں، لیکن تاریخی طور پر رومانیت ایک مفید داخلی قوت کے طور پر پہچانی جاتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کی طرح ادب میں بھی رومانیت ایک خوش آئند جھونکا ثابت ہوئی۔ برصغیر کے ادباء کے مغربی نظریات کو قبول کرنے کے بارے میں ڈاکٹر رشید امجد رقمطراز ہیں:

''بیسویں صدی کا طلوع زندگی کی کئی مثبت اقدار اور جہد کے میلانات کو ساتھ لایا۔ سماجی سطح پر بھی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سیاسی سطح پر آزادی کی تحریکوں اور مجموعی تحرک نے ادب میں بھی ایک خوش گوار تبدیلی کا دروازہ وا کیا۔''(۴)

اردو ادب میں رومانویت سرسید تحریک کی ٹھوس عقلیت اور جامد اجتماعیت کے خلاف ردِ عمل کے طور پر بھی پروان چڑھی اور اردو ادب میں رومانویت کو پروان چڑھانے میں ''انجمن پنجاب'' اور ''مخزن'' کا کردار بھی اہمیت کا حامل ہے۔

رومانوی تحریک کے فروغ کی ایک اہم وجہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں ایسے ادیبوں کی شمولیت تھی جو رومانوی تھے۔ شاعری میں اقبال نے اس تحریک میں نئی راہیں متعین کیں۔ اردو نثر کے حوالے سے محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' اور ''نیرنگِ خیال'' میں اپنے اسلوب کے ذریعے اس تحریک کی بنا ڈال دی تھی۔ رومانوی تحریک کا باقاعدہ آغاز تو ابوالکلام آزاد، میر ناصر علی دہلوی اور عبدالحلیم شرر کی تحریروں سے شروع ہوا مگر سرسید کی عقلیت پسندی اور مقصدی تحریک کے دوران ہی چند ادیبوں نے رومانوی رجحانات کے تحت لکھنا شروع کر دیا تھا جس میں آزاد کا تخیل اور تشبیہ واستعارات رومانوی اثرات کا ہی نتیجہ ہے۔ شبلی کی بھی ماضی پرستی اور شعری عناصر رومانویت کا اظہار ہے۔ سجاد حیدر یلدرم رومانوی ادیبوں میں صف اول کے افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے رومانوی تحریک کے اسلوب وموضوعات، طرزِ تحریر، طرزِ احساس کی نئی جہتیں متعارف کرائیں۔

اردو ناول میں رومانوی رجحانات، موضوعات، اسالیب عبدالحلیم شرر کی مرہون منت ہیں۔ اور اس کے بعد آنے والی ایک بڑی جماعت نے رومانوی رنگ سے اردو ناول کو مزین کیا۔ ان ناول نگاروں

میں رسوا، ،شرر،سرشار، حجاب امتیاز علی، نیاز فتح پوری ،فرمان فتح پوری ، قاضی عبدالغفار، منشی سجاد حسین اور دورجدید کے ناول نگاروں میں الطاف فاطمہ، جمیلہ ہاشمی، رضیہ بٹ ودیگر ناول نگار شامل ہیں۔

عبدالحلیم شرنے رومانوی رجحانات سے بھرپور تاریخی ناول لکھے۔ انھوں نے ناولوں میں ماضی پرستی سے رومانوی فضا پیدا کی۔عبدالحلیم شرر نے پہلا ناول ''ملک العزیز ورجنا'' ۱۸۸۸ء میں تحریر کیا اس ناول میں شرر قاری کو ماضی کے عظیم سپہ سالاروں کی جنگی عظمت کے قصے سنا کر رومانویت کا ثبوت دیتے ہیں۔''شوقین ملکہ'' عبدالحلیم شرر کا تاریخی ناول ہے۔اس ناول میں مقصدیت کے ساتھ ساتھ رومانیت بھی موجود ہیں۔اس ناول میں اسلامی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے اور تاریخی واقعات کے ذریعے رومانویت پیدا کی گئی ہے۔عبدالحلیم شرر نے اس ناول میں جہاں تاریخی واقعات قلمبند کیے ہیں وہاں رومانوی واقعات بھی بڑی خوبی سے بیان کیے ہیں یہاں تک کہ قاری اس رومانوی فضا میں کھو جاتا ہے۔شرر محلات کے اندر کے حالات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''صدر کے مقام پر دو کرسیاں بچھی تھیں جن کے پاس ہی ایک طرف گانے بجانے اور ناچنے والی دِلرُ با عورتوں کا طائفہ تھا اور دوسری طرف مرداربابِ نشاط آلات طرب لیے کھڑے تھے اور ان میں وہ شعراء بھی تھے جو مناسب حال و مقام نظمیں تصنیف کر کے خود بھی عود بربط گاتے تھے اور دربار کے دیگر گانے والوں اور گانے والیوں کو بھی سکھاتے تھے۔''(۵)

سرشار کے ناولوں میں لکھنوی معاشرت کے متنوع پہلو بیان کیے گئے ہیں۔نوابوں کے عالی شان محلات کا ذکر ہے ان کے رہن سہن، لباس، خوراک کے تذکرے ملتے ہیں۔اور کہیں ان میں نوابوں کی بدمذاقی ، بدسلیقہ مندی، طوائفوں کے عشق میں سرگرداں اور رنڈیوں کے کوٹھوں پر نوابوں کا برباد ہونا دکھایا گیا ہے۔نوابوں کی مجلس، گپیں، مصاحبیں اور حاشیہ برداروں کا ہجوم یہ سب زوال پذیر لکھنؤ کی تصویر ہے۔ان کو بیان کرنے میں سرشار نے رومانیت کی اعلیٰ مثالیں پیش کی ہیں۔ڈاکٹر لطیف حسین سرشار کی رومانیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''رومانی پہلو اس وقت پیدا ہوتا ہے۔جب ان کے افعال اور کارنامے انسانی توانائی سے نکل کر سرشار کی پرواز تخیل کا نتیجہ بن جاتے ہیں۔''(۶)

سرشار کی رومانیت، داستانوں اور قدیم قصوں کی تصویریت سے مماثل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ رومانویت کی نئی شکلیں بھی نظر آتی ہیں۔مثلاً سرشار کے ناولوں میں عشق کا تصور زیادہ صحت منداور زیادہ فطری ہے۔سرشار سے پہلے عشق اپنے روایتی مشرقی انداز میں پیش کیا جاتا تھا۔یعنی عشق زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا تھا۔عاشق محبت کی خاطر مشکلات اور سختیاں برداشت کرتا تھا۔اور یہی اس کے عشق کا ثبوت ہوتا تھا۔اس کے برخلاف سرشار کے کرداروں میں عشق جنون کی حد کو عبور نہیں کرتا بلکہ اس کے رومانی جذبے کو مزید تقویت دیتا ہے۔

رتن ناتھ سرشار نے سیر کہسار، جام سرشار، کامنی اور شہرہ آفاق ناول ''فسانہ آزد'' تحریر کیے۔ ان میں لکھنو کی زوال پذیر ثقافت کو بیان کر کے ان سے محلات کے اندر عشق و عاشقی کے قصے بھی سنائے ہیں اور اس ثقافت کی تباہی کے آثار بھی دکھائے ہیں۔ نوابوں کی محبت کے قصوں میں رومانیت عمومی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ رومانیت باقاعدہ رومانوی تحریک کے تحت نہیں تھی کیونکہ سرشار کے ناول یلدرم کی رومانوی تحریک سے پہلے کے تخلیق شدہ ہیں۔ سید لطیف حسین ادیب نے سرشار کی اور شرر کی ناول نگاری میں رومانیت کے الگ رنگوں کے بارے میں لکھا ہے:

> ''شرر اور سرشار دونوں کے ناولوں میں عشق کا رنگ چوکھا ہے۔ لیکن نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ سرشار کے عشق میں حقیقت کی بو ہے۔ نواب کا مہریوں اور چوڑی والیوں نہ عشق، نہ صرف اس عہد میں ایک حقیقت رہ بلکہ رئیسوں اور سرمایہ داروں کے گھروں میں آج بھی اس نوعیت کے واقعات اکثر و بیشتر ہوتے رہتے ہیں۔''(۷)

''فسانہ آزاد'' میں تاریخی واقعات بھی رومانویت پیدا کرتے ہیں اور داستان کی طرح پریوں ،جنوں اور آدم زادوں کی مخلوط اور خیالی دنیا بھی ملتی ہے۔

سرشار کے ناول فسانہ آزاد کے کردار پرانی دنیا کے کردار ہیں جو حال میں زندہ رہنا چاہتے ہیں اور مکمل طور پر وجود کے تحفظ کی بے کار اور بے سود کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں ان کے مکالمات، واقعات اور رنگ وروپ سے رومانوی فضا قائم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں:

> ''انہوں نے لکھنوٴ کے معاشرے اور زندگی کو پیش کیا ہے لیکن اس معاشرے کی یہ ایسی مکمل جامع تصویر ہے کہ اس میں محلوں سے لے کر بازار تک زاہدان خشک سے رنگین مزاجوں تک ،بیگمات سے لے کر پریوں تک ،حرم سراؤں سے لے کر کوٹھوں تک ،معشوقان عشق پیشہ کی عیاریوں سے لے کر حسین پردہ نشینوں کی سادہ پرکاریوں تک ہر مقام اور ہر شخص کا حال سچا بھی ہے اور دل آویز بھی۔''(۸)

فسانہ آزاد میں عشق کا روایتی تصور نہیں ہے۔ ناول کا کردار آزاد اپنی منفرد انتہائیں رکھتا ہے۔ آزاد میں عاشقانہ لطافت نظر نہیں آتی۔ سرشار نے آزاد کی محبت کو جنسی تناظر میں پیش کر کے رومانی فضا قائم کی ہے ملاحظہ ہو:

> ''آزاد: کیوں پیاری۔ بھلا تمام عمر ایسی ہی محبت رہے گی۔
>
> شہزادی: اور یہ ترقی پائے گی اور محبت بڑھتی جائیگی۔
>
> آزاد: بھلا یہ وعدہ کرتی ہو کہ میری زندگی بھر تمہارا پیار بدستور قائم رہے گا اور کبھی ذرا بھی کم ہونے پائے گا۔
>
> شہزادی: معقول میں یہ اقرار البتہ کرتی ہوں کہ اپنی زندگی بھر اسی طرح دل و جان سے

قربان رہوں گی ۔ مگر یہ اقرار کیونکر کرسکتی ہوں تمھاری زندگی بھر محبت کم ہوگی ۔
آزاد: [مسکرا کر] بات تو واقعی اچھی پیدا کی ۔
اتنے میں دور چلنے لگا شہزادی اپنے دست نگارین سے بھر بھر جام دیتی تھی اور محبت کے مزے لیتی رہی کہ دفعتاً قبلہ رخ سے گھٹا اٹھی اور بجلی چمکنے لگی پھر کیا پوچھنا تھا۔''(۹)

عبدالحلیم شرر نے اپنے ناولوں میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو بیان کر کے سنہرے ماضی میں پناہ لینے کی کوشش کی ۔ اور یہی ان کی رومان پسندی کا انداز ہے ۔ شرر کی رومان پسندی قاری کے اندر گھسنے کے بجائے اپنے قاری کو سنہرے تاریخی دور کی طرف لے جاتی ہے ۔ شرر اپنے ناولوں میں رومانی فضا، منظر کشی سے بھی پیدا کرتے ہیں جن میں وہ رسوم و رواج شادی بیاہ ، باغوں، نہروں ، دریاؤں اور پہاڑوں جیسے مناظر شامل ہیں ۔ ۔عبدالحلیم شرر کے ناول ''فردوس بریں'' کا اصل جادو وہ رومان آمیز فضا ہے جو قاری کے ذہن پر چھا جاتی ہے ۔ اس ناول میں مکالمے، پلاٹ ،منظر کشی، اختصار، کردار نگاری ہر لحاظ سے رومانیت موجود ہے ۔ اس کی ایک مثال حسین کو زمرد کے دوسرے خط کے الفاظ میں موجود ہے جہاں وہ حسین کے ساتھ محبت کے رومانی جذبے کا اظہار کرتی ہے:

''اے محبوس ظلمت کرہ ارض میری جستجو میں تو حد سے گزر جاتا ہے اور یہ نہ سمجھ کہ مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا ۔ میرے تعلقات تیرے ساتھ روحانی طور پر باقی ہیں اور یہی سبب ہے کہ اس عالم میں بھی جہاں ہر طرف سے مسرتیں ہجوم کیے ہوئے ہیں اور خداوند جل وعلا نے ایک خاص بعید از فہم وادراک لذت میرے دل میں پیدا کر دی ہے ۔ میں تیری طرف سے اپنا خیال نہیں ہٹا سکتی تیری یاد میں یہ روحانی لذتیں بھی میرے دل سے غم کا کانٹا نہیں نکال سکتیں ۔''(۱۰)

''فردوس بریں'' دو محبت کرنے والے کرداروں کی کہانی ہے اور انہیں کرداروں کے ذریعے پورے ناول میں رومان پرور فضا قائم رہتی ہے ۔ موسیٰ کی قبر پر پریوں کا غول دیکھ کر قاری ایک رومانوی فضا میں گم ہو جاتا ہے اور پھر پورے ناول میں اسی فضا میں رہتا ہے ۔ اس سے قاری اور پلاٹ کے درمیان رومان کی گرفت بڑی مضبوط ہو جاتی ہے ۔

شرر نے فرقہ باطنیہ کی جنت کی منظر کشی میں بھی رومانیت کا اظہار نہایت فنکاری اور چابکدستی سے کرتے ہیں ۔ جس سے شرر کی رومانویت کے رجحانات واضح ہوتے ہیں ۔ اور قاری ان مناظر میں کھو کر رہ جاتا ہے ۔ ''فردوسِ بریں'' میں شرر کی منظر کشی کے بارے میں سہیل بخاری لکھتے ہیں:

'' ہلکے ہلکے رنگوں مدھم مدھم آوازوں اور دھندلی دھندلی روشنیوں سے تیار کی گئی ہے ۔ حسین کی گہری گہری غفلتوں ، تہ خانوں اور غاروں کے دھندلکوں ،وادی طالقان اور ''فردوس بریں'' میں آسمانی روشنی کے انعکاس طور معنی کے شیش محل کی چھوٹ ،حوروں کے لباس

،مجروں اور محلوں کے رنگوں اور بیل بوٹوں ، پرندوں کے ترانوں ،تصوف کی وارداتوں اور اس کی رنگین اور عجیب وغریب اصطلاحوں سے قاری کے ذہن پر غنودگی کی سی چھانے لگتی ہے۔اس پر شرر کے قلم سے جنت کی منظر نگاری عقل وحواس کواور بھی معطل کر دیتی ہے اور یہ پورا ماحول ایک حسین خواب معلوم ہونے لگتا ہے۔''(۱۱)

ناول ''فردوس بریں'' کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ اس کی پراسرار رومانوی فضا اور اس کے انوکھے کرداروں کی وجہ سے ہے۔

نیاز فتح پوری نے دو ناول 'شہاب کی سرگزشت' اور 'شاعر کا انجام' تحریر کیے۔ان کی تحریروں میں اپنے عہد کے مزاج کے مطابق رومانیت کو شدومد سے متعارف کرایا۔نیاز فتح پوری کے مندرجہ بالا دونوں مختصر ناولوں میں نیاز نے اپنے دور کے رومانوی تحریک کے اسلوب کو بخوبی پیش کیا ہے۔ڈاکٹر محمد حسن نیاز فتح پوری کی رومانویت اور انداز تحریر کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''نیاز کی تحریر کی بنیاد ان کا جذباتی اور ہیجانی انداز ہے وہ ہر بات کو ماورائیت کی طرف لے جاتے ہیں۔حسن وعشق کا بیان اور جمالیاتی دلکشی ان کی تحریر کا مطمحِ نظر ہے۔ان کی تحریریں عورت اور حسن کے ذکر سے معمور نظر آتی ہیں۔''(۱۲)

نیاز کی رومانویت لذت پرستی تک پہنچ جاتی ہے۔ان کے نزدیک عورت کہیں حور، کہیں لائق پرستش، کہیں حیات کی بے راہ روی کا ذریعہ بنتی ہے۔ان کے نزدیک عورت عیش وعشق کا ایک ایسا منبع ہے جس کی تخلیق ارضی نہیں بلکہ سراسر تخیل ہے۔ڈاکٹر محمد حسن نیاز کی رومانیت اور تصور رومان کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

''نیاز نے حسن پرستی کو مذہب کی سطح تک پہنچا دیا ہے۔ان کے ہاں حسن کا حسین تصور اور عشق کا افلاطونی اور جادوئی تصور دونوں تھے۔ان کے ہاں محبت ایک ''بے غرض انہاک'' کا نام ہے۔اور اگر محبت کرنے والا محبوب سے ملنا چاہتا ہے تو وہ حقیقتاً محبت نہیں ہے۔بلکہ ایک جذبہ شہوانی ہے۔''(۱۳)

ناول ''شہاب کی سرگزشت'' کے مرکزی کردار کی ذہنی حالت اور سوچ کا تعلق یورپ کی اس رومانوی تحریک سے بنتا دکھائی دیتا ہے۔جو روزمرہ زندگی سے فرار حاصل کر کے الگ سے اپنی خیالی دنیا بسانے کو اہم سمجھتی تھی۔اس ناول میں فلسفیانہ سوچ ،فضا بندی کے علاوہ کئی اور پہلو بھی اسے رومانوی ناول بناتے ہیں۔جن میں منظر نگاری لباس اور ناول میں مصورانہ انداز اس ناول کی رومانیت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ڈاکٹر یوسف سرمست اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

''اس میں زندگی کے بعض تجربوں کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے خاص طور پر اس ناول کے خطوط ،لباس اور مناظر کی تصویر کشی ،رقص کے وقت اعضاء کی جنبش کا مصورانہ بیان،

مکالموں کی برجستگی اور استدلالی کیفیت ناول نگار کی زبان پر قدرت ہی کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ زندگی کے ان رومانی ارتسامات کو بھی ظاہر کرتے ہیں جو زندگی کے ایک خاص انداز سے مطالعہ اور تجربہ سے پیدا ہوتے ہیں۔‘‘(۱۴)

نیاز فتح پوری زمینی حقائق سے نظر ہٹا کر اپنی ذات کو لطیف و عجیب قسم کے جذبات میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ادب کے اخلاقی اور غیر اخلاقی ہونے کو نظر انداز کر دینا چاہیے کیوں کہ یہ پہلو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ درحقیقت یہ سماج اور زندگی سے فرار ہے کیونکہ نوآبادیات کی ہندوستانی معاشرے کو دی ہوئی تلخ صورتِ حال کو برداشت کرنا مصنف کے بس میں نہیں ہے۔ ادیب کے پاس اس سماجی مسئلے کا حل سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ اندر ہی اندر پسپائی اختیار کر جائے کیونکہ باہر تو ہر طرف جبر ہی جبر ہے۔ نوآبادیاتی جبر کی وجہ سے بیرونی ماحول میں تلخی اور او اوازاری ہے لیکن ادیب کے من اور باطن میں ہی ایک خوبصورت زندگی ہے جو بہت حسین ہے اور اس کے پاس صرف ان خیالات سے لطف اندوز ہو کر زندگی گزارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ ہی رومانوی تحریک کی اصل بنیاد ہے۔ ایسے افکار پیش کرتے وقت ناول نگار مغربی نفسیاتی علم سے بھی پوری مدد حاصل کر سکتا ہے۔ شہاب لکھتے ہیں:

’’میرے نزدیک محبت نام ہے ایک بے غرض انہماک کا ایک خود فراموش کو میت کا جو پیدا ہو حسن کو دیکھ کر خواہ وہ حسن ظاہری ہو یا باطنی واضح ہو یا غیر واضح، زمین میں ہو یا آسمان میں، رہا یہ امر کہ محبت کرنے والا محبوب سے مل جانا چاہتا ہے یا نہیں۔ اور یہ خواہش فطری ہے یا غیر فطری، اس کے متعلق میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ شخص جس کی محبت اس بات پر مجبور کرے حقیقتاً محبت نہیں بلکہ وہ ایک جذبہ شہوانی ہے۔‘‘(۱۵)

کشن پرشاد کول رومانوی رجحان کا ایک معتبر نام ہیں۔ نیاز فتح پوری کی طرح ان کے ناول ’’شاما‘‘ میں مذہب اور سماج سے شدید ترین بغاوت نظر آتی ہے۔ کشن پرشاد کے رومانوی رجحان کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک باغی کے طور پر رومانویت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ کشن پرشاد کول کی بغاوت عملی صورت اختیار نہیں کرتی وہ صرف ذہن میں رہتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف سرمست کشن پرشاد کول کے رومانوی انداز کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’رومانی بغاوت کے وہ رجحانات جو نیاز فتح پوری کے ہاں ملتے ہیں۔ کشن پرشاد کول کے ناول ’’شاما‘‘ میں ایک واضح شکل وصورت اختیار کر لیتے ہیں گو یہاں بھی مذہب اور سماج سے بیزاری ملتی ہے۔ لیکن یہ بیزاری بعض ٹھوس سماجی حقائق کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوتی ہے۔‘‘(۱۶)

رومانوی تحریک کے نمائندہ ناول نگاروں میں آغا شاعر دہلوی بھی ہیں۔ ان کے ناول ’’ہیرے کی کنی‘‘ میں رومانی رجحانات کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ اس ناول میں اعلیٰ طبقہ کا معاشقہ

بیان کیا گیا ہے۔فیاض علی نے بھی رومانوی تحریک سے متاثر ہوکر دوناول لکھے ہیں۔''شمیم''[۱۹۲۴]اور ''انور'' دونوں ناول رومانوی ہیں۔ یہ ناول صرف تفریح طبع اور تفنن کے لیے لکھے گئے ہیں۔لیکن جگہ جگہ انشا پردازی کی اچھی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ان ناولوں میں زندگی کا روشن پہلو،حسن وعشق کی داستانیں بیان کی گئی ہیں اور رومانی واقعات ان ناولوں کو اہم مقام دلواتے ہیں۔

فیاض علی نے بھی رومانوی تحریک سے متاثر ہوکر دوناول لکھے ہیں۔''شمیم''[۱۹۲۴]اور''انور'' دونوں ناول رومانوی ہیں۔ یہ ناول صرف تفریح طبع اور تفنن کے لیے لکھے گئے ہیں۔لیکن جگہ جگہ انشا پردازی کی اچھی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ان ناولوں میں زندگی کا روشن پہلو،حسن وعشق کی داستانیں بیان کی گئی ہیں اور رومانی واقعات ان ناولوں کو اہم مقام دلواتے ہیں۔

حجاب امتیاز علی کے ناولوں میں رومانویت اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔انہوں نے احساس جمال،تلاش حسن،محبت اور عورت کے موضوعات کوسحر انگیز انداز میں بیان کر کے احساسات وجذبات کا ایک نیا جہاں آباد کیا ہے۔انہوں نے تین ناول،'اندھیرا خواب'[۱۹۵۰] حنوت کی انجمن[۱۹۳۶] پاگل خانہ[۱۹۸۰] تحریر کیے۔حجاب کی نثر شعریت اور رومانیت سے بھری ہوئی ہے۔حجاب نے اپنے ناولوں میں رومان کی ایسی فضا قائم کی ہے کہ قاری اس سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کی تشبیہیں،استعارے، تراکیب اور جملہ بندی اس پوری فضا کی کڑیاں ہیں۔اس طرح رومانوی طرز احساس میں زیادہ شدت، زیادہ رنگینی اور زیادہ لطافت پیدا ہوجاتی ہے۔ڈاکٹر محمد خان اشرف حجاب کی رومانویت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حجاب اپنی اس رومانوی دنیا کی تخلیق میں بہت مخلص ہیں ۔ وہ ایسے کسی بھی نیم پخت جذباتیت اور مقصدیت سے آلودہ نہیں ہونے دیتیں۔انکا مقصد حسن اور ذوق جمال کی تخلیق اور تحسین ہے۔اور وہ اس مقصد کو عملی زندگی کی گرد سے آلودہ نہیں ہونے دیتیں۔اکثر ایسا لگتا ہے کہ حجاب کی تخلیقات حقیقت کو نظر انداز کرنے اور رومانوی فرار کی خوبصورت شکلیں ہیں۔''(۱۷)

''ظالم محبت'' حجاب امتیاز علی کا مختصر کینوس والا ناول ہے۔حجاب کا یہ ناول اپنے اندر انوکھی رعنائی لیے ہوئے ہے جس میں رومانوی رجحانات غالب ہیں۔اس ناول میں مصنفہ نے عشق کی مثلث بنا کر رومان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کا پلاٹ منظم ہے۔مجیب احمد خان ظالم محبت میں رومانوی انداز کے بارے لکھتے ہیں:

> ''ناول''ظالم محبت'' حسن وعشق کی گہرائیوں اور درد وغم میں ڈوبا ہوا ایک بہترین شاہکار ہے۔دراصل رنج والم انسان کا فطری جذبہ ہے ۔ اس لیے انسان متاثر ضرور ہوگا۔اس ناول میں دلآویزی،اثر انگیزی،اور دردانگیزی اپنا جلوہ خوب خوب دکھاتی ہے۔''(۱۸)

نثار عزیز بٹ بنیادی طور پر انگریزی رومانوی شعرا اور ادیبوں سے متاثر نظر آتی ہیں نثار کے ناولوں میں بھرپور رومانوی فضا دکھائی دیتی ہے۔نثار عزیز بٹ نے معاشرے کی پابندیوں کو توڑتے ہوئے ''روسو'' کے تصوّرِ فطرت کی طرف مراجعت کو اپنایا۔اور اس کے ساتھ ساتھ بعض جمال پسندوں مثلاً آسکر وائلڈ کے حوالے بھی اس ناول میں نظر آتے ہیں۔رومانی اور جمال پسند دونوں اپنے آپ کو معاشرے سے علیحدہ سمجھتے ہیں اور ایک جمالیاتی اور رومانی دھند میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔نثار عزیز بٹ بھی انسان کی اس تنہائی اور علیحدگی کا ذکر کرتی ہیں۔''نگری نگری پھرا مسافر'' ایک سفر نامے کی صورت میں لکھا گیا ہے۔میرزا ادیب اس کے اندازِ تحریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ ناول ایک قسم کا سفر نامہ ہے۔ایک آدرشی مسافر کا جو من کے اندر اور باہر دونوں نگریوں کا سفر کرتا ہے اور اپنے آدرش کی دھن میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔''(۱۹)

نگری نگری پھرا مسافر میں نثار عزیز بٹ نے ایک حساس اور جذباتی لڑکی کی اندرونی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔اپنے عہد کی ایک حساس لڑکی 'افگار' کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور اس کی ذہانت، علمیت اور دیگر پیچیدہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔لیکن ان مسائل میں سب سے زیادہ جس چیز کو بیان کیا گیا ہے وہ رومانیت ہے۔

نثار عزیز بٹ نے اس ناول میں الفاظ وتراکیب کے استعمال سے بھی رومانوی فضا قائم کی ہے۔انسان حقیقی دنیا سے اس طرح دور ہو جاتا ہے جیسے وہ کسی جنت نظیر کی سیر وتفریح کر رہا ہو۔اس کا استعمال ''افگار'' کی پریشان حالات کے بعد جب وہ اپنے تصورات میں گم ہوتی ہے تو یہ مناظر اس کے سامنے پیدا ہو جاتے ہیں۔جس سے قاری رومانویت میں کھو جاتا ہے۔

''اب اسے ہرگز یقین نہ تھا کہ موت پنکھڑیوں کی طرح نرم، ہوا کی طرح لطیف، اس کی روح کو اُڑا لے جائے گی۔وہ مومی گڑیا کی طرح بستہ پر پڑی مسکراتی رہے گی۔اور پگھلتی رہے اور محبت اس پر برسا کرے گی۔اس کی قبر کے اردگرد جھرنے ہونگے۔صاف شفاف پانی گنگنایا کرے گا۔چمکیلی صبحوں کو ہوا کے جھونکوں سے شگوفوں کے درختوں میں سے چھم چھم سفید گلابی اور سنہری پنکھڑیاں اس کی قبر پر گرا کریں گی۔''(۲۰)

نثار عزیز بٹ کا یہ ناول اپنی رومانوی فضا میں اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔اس میں اس کی مجموعی فضا ،اداسی، آدرش کی قید، داخلی محبت کی تلاش اس ناول میں انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

رضیہ فصیح احمد کا ناول ''آبلہ پا'' میں بھی رومانویت کھل کر دیکھی جاسکتی ہے۔اس ناول میں جہاں اپنے عہد کی معاشرتی کیفیت کو دکھایا گیا وہاں اس ناول میں رومانوی واقعات کو بکثرت پیش کیا ہے جس کی وجہ سے یہ ناول رومانوی ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ناول میں صبا کے کردار میں سنجیدگی، محب وطن، غریب پرور اور باشعور لڑکی کے طور پر پیش کیا ہے۔رضیہ فصیح احمد نے اس کے کردار کے ذریعے سلجھی

ہوئی رومانویت پیش کی ہے۔نیلم فرزانہ صبا کے کردار میں رومانویت اور اس کے کردار کی خوبیوں کو اس طرح بیان کرتی ہیں۔

> ''یہ ایک رومانی ذہن رکھنے والی لیکن باشعور اور حساس لڑکی کی المناک داستان حیات ہے۔ صبا نام کی اس لڑکی کا واسطہ ایک ایسے لڑکے اسد سے پڑتا ہے جو محبت کا جواب محبت سے نہیں دیتا بلکہ اس لڑکی کو اپنے ماضی [جس میں اس کا خاندانی پس منظر بھی شامل ہے] سے پیچھا چھڑانے اور معاشرے میں شخصی عظمت کے حصول کے لیے بطور آلہ استعمال کرتا ہے۔''(۲۱)

''آبلہ پا'' میں دونوں کرداروں ''صبا اور اسد'' کا المیہ موجود ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ رومانیت بھی موجود ہے کیونکہ یہ ایک شادی شدہ جوڑے کی کہانی ہے جن کے مختلف پہلوؤں مثلاً شادی سے پہلے ایک دوسرے کی قربت، پھر شادی اور اس کے بعد پہاڑی علاقے کی سیر رومانیت سے لبریز ہیں۔اسلوب انصاری اسی رومانوی فضا کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''وہ دونوں ابھی عنفوانِ شباب ہی کی منزل میں ہیں اور اس منزل پر ایک دوسرے میں جذب وکشش محسوس کرنا ایک فطری عمل اور ناگزیر حادثہ ہے۔لیکن اس کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔اس چھوٹے سے خوبرو، چنچل اور سیماب آسا بچے کے لیے صبا کی دلبستگی سے، جو اس ہوٹل مین اس کے ساتھ ہی قیام پذیر ہے۔''(۲۲)

رضیہ فصیح احمد کا ناول ''آبلہ پا'' اپنے عہد کی بہترین تصویر ہے جس میں رومانوی فضا کے ساتھ ساتھ معاشرے کی شکست وریخت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس تحریک نے اردو ناول کو عہد طفولیت سے نکال کر عروج تک پہنچا دیا۔اس تحریک کے موضوعات، اسالیب، زبان و بیان میں نئے پن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے جو ابھی تک کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے۔اس تحریک نے اردو ادب کو برصغیر کی فضاؤں سے نکال پوری دنیا کے ادب کے ساتھ موازنہ کرنے کے قابل بنا دیا۔تقلید کے ان بندھنوں کو توڑنے کا جو رجحان بعد کے ادیبوں میں پیدا ہوا وہ رومانوی تحریک کے ہی مرہونِ منت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، رومانویت اور اردو ادب میں رومانوی تحریک، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص۱۶

۲۔ محمد حسن، ڈاکٹر، اردو ادب میں رومانوی تحریک، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۶ء، ص۱۵

۳۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص۹۱۔۹۲

۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر، شاعری کی سیاسی وفکری روایت، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۳ء، ص۲۶

۵۔ عبدالحلیم شرر، مولانا، شوقین ملکہ، لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۹۱ء، ص۷

۶۔ لطیف حسین ادیب، رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء، ص۲۵۵

۷۔ ایضاً، ص۱۲۸

۸۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۵ء، ص۹۱

۹۔ رتن ناتھ سرشار، فسانہ آزاد، جلد سوم، لکھنو: منشی تیج کمار، ۱۹۵۲ء، ص۹۹۹

۱۰۔ عبدالحلیم شرر، فردوس بریں، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء، ص۲۹

۱۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری اور ناول کی تاریخ وتنقید، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۶ء، ص۱۴۱

۱۲۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، رومانویت اور اردو ادب میں رومانوی تحریک، ص۲۲۴

۱۳۔ محمد حسن، ڈاکٹر، نیاز کا ادبی مرتبہ، مشمولہ: نیاز فتح پوری شخصیت اور فن، مرتبہ: فرمان فتح پوری، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۶ء، ص۲۰۷

۱۴۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اُردو ناول، ص۱۶۶

۱۵۔ نیاز فتح پوری، شہاب کی سرگزشت، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۸۴ء، ص۱۰

۱۶۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، ص۱۶۷

۱۷۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، رومانویت اور ادب میں رومانوی تحریک، ص۲۲۵

۱۸۔ مجیب احمد خاں، ڈاکٹر، حجاب امتیاز علی۔ فن اور شخصیت، دہلی: عفیف پرنٹرز، ۲۰۰۰ء، ص۱۰۲

۱۹۔ میرزا ادیب، پیش لفظ: نگری نگری پھرا مسافر، از: نثار عزیز بٹ، لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۸۶ء، ص۱۰

۲۰۔ نثار عزیز بٹ، نگری نگری پھرا مسافر، لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۸۶ء، ص۱۳۱

۲۱۔ نیلم فرزانہ، اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، دہلی: جے کے آفسیٹ، ۲۰۱۴ء، ص۲۷۹

۲۲۔ اسلوب احمد انصاری، آبلہ پا، مشمولہ: اردو کے پندرہ ناول، علی گڑھ: یونیورسل بک ہاؤس، ۲۰۰۳ء، ص۲۵۳